ایمان اور سعادت[1] کا باہمی تعلّق

عبد الحمید صدیقی

سعادت و خوش بختی قلب و نگاہ کی ایک ایسی فردوسِ گم گشتہ ہے جس کا ہر انسان فطری طور پر طلبگار ہوتا ہے۔ ایک بلند پایہ فلسفی سے لے کر ایک سادہ لوح دیہاتی تک، عظیم الشان محل میں مقیم بادشاہ سے لیکر جھونپڑے میں رہنے والے ایک فقیرِ بے نوا تک، ہر شخص گوہرِ سعادت کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ گوہر نایاب آخر ہے کہاں؟ انسانیت کی یہ بڑی بد قسمتی ہے کہ وہ اسے اُن مقامات پر ڈھونڈھتی ہے جہاں اس کا وجود ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ اُس شخص کے قاصر العقل ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے جسے تلاش تو لولوئے لالا کی ہو، مگر وہ سمندر کا رُخ کرنے کے بجائے صحراؤں کی خاک چھانتا پھرے۔ ایسے شخص کی قسمت میں اگر محرومی نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا۔ اسی طرح کے قاصر العقل انسانوں نے گوہرِ سعادت کو کبھی مادی ساز و سامان کی فراوانی میں تلاش کرنے کی کوشش کی اور کبھی حسی لذات کی تکمیل میں اسے ڈھونڈا، مگر "قیس" کے حصے میں سوائے دشت پیمائی کے اور کوئی چیز نہ آئی۔

کیا مادی عیش و عشرت کا نام سعادت ہے؟ لوگوں کا خیال ہے کہ مادی ساز و سامان، مال و دولت کی کثیر مقدار اور مادی نعمتوں کی فراوانی سے آدمی سعادت مند بن جاتا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ اُن ممالک میں جا کر دیکھیے جہاں عوام کا معیارِ زندگی بہت بلند ہے۔ کھانے پینے اور رہائش کی سہولتیں ایک سے ایک بڑھ کر لوگوں کو میسر ہیں مگر اس کے باوجود وہ زندگی کی تلخیوں کے گلہ مند ہیں اور اپنے آپ کو شدید گھٹن میں مبتلا پاتے ہیں۔ اس کی وجہ آخر کیا ہے؟ مجلّہ "روز الیوسف" کے مدیرِ اعلیٰ نے کئی سال ہوئے دو مقالے شائع کیے تھے جن کا عنوان تھا "اہلِ جنت بھی سعادت مند نہیں"۔ اہلِ جنت سے اُس کی مراد

---

[1] یہ مضمون بھی شیخ یوسف القرضاوی کی کتاب الحیاۃ والایمان سے ماخوذ ہے۔ (ع-ح)

سویڈن کے باشندے ہیں۔ جو معاشی طور پر اتنے ہی فارغ البال ہیں جتنا کہ کوئی شخص تصور کر سکتا ہے۔ اُن کو نہ افلاس کا ڈر ہے نہ بے روزگاری کا خطرہ، نہ بڑھاپے کا خوف۔ حکومت ہر شخص کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن ہے۔ وہ معذور اور بے ہنر افراد کی کفالت کرتی ہے۔ رہائش، بیماری اور مہنگائی کے الاؤنس دیتی ہے۔ ہر عورت کو بچے کی تولید پر اُس کی تربیت اور نگہداشت کا وظیفہ ملتا ہے۔ مزید برآں ہر بچے کو بھی چالیس مصری پونڈ کے حساب سے سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ کارخانوں میں نوجوانوں کو ہنر آموزی کے علاوہ خوراک اور پوشاک کی سہولتیں حاصل ہیں۔ لازمی فرائض کی ادائیگی کے وقت حادثہ کی صورت میں معقول معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔ طلبا کو تعلیمی وظائف اور نوبیاہتا جوڑوں کو گھریلو ساز و سامان خریدنے کے لیے امدادی قرضے دیئے جاتے ہیں۔ غرض ہر فرد کو اجتماعی تحفظ کی مختلف سکیموں کے تحت قومی آمدنی سے پانچ ساڑھے پانچ سو مصری پونڈ سالانہ ملتے ہیں۔ مقالہ نگار صحافی کہتا ہے کہ ایسے معاشرہ میں بھی ــــ جس میں قدم قدم پہ ہر فرد کی کفالت کا اہتمام ہے ــــ لوگ ایک قلق اور اضطراب کا شکار ہیں۔ ان کی زبانوں پہ شکایت اور دلوں میں شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے اور ان کی مایوسی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ خودکشی کر لیتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے والے ایک دو نہیں اُس "ارضی جنت" میں ہزاروں لوگ موجود ہیں۔

امریکہ دنیا کا امیر ترین ملک ہے۔ مگر زر و سیم کی فراوانی اُس کے فرزندوں کو بھی سعادت سے بہرہ ور نہیں کر سکی۔ وہاں فلک بوس عمارات ہیں۔ آواز سے تیز چلنے والے طیارے ہیں۔ سونا اُگلتی زمینیں ہیں۔ لیکن اُس کے مفکرین کی آواز پہ کان دھریں، وہ کہہ رہے ہیں "نیویارک کی زندگی ایک حسین و جمیل پردہ ہے جس نے اپنے اندر بربادی و بدبختی کو چھپا رکھا ہے"۔ "نیویارک کا گراں بار تمدن انسانیت کو کچلتا اور روندتا جا رہا ہے"۔ "نیویارک کے باشندے آج جس بحران سے دوچار ہیں وہ جذباتیت کا بحران ہے۔ ہر لحظہ کام میں لگے ہوئے اور تھکے ماندے امریکی وقت بچانا چاہتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ اُس وقت کو وہ کیسے صرف کریں گے"۔

اِن دو خوش حال ملکوں کے آسودہ و عیش کوش باشندوں پہ ایک نظر ڈالنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ کثرتِ مال اور اسبابِ عیش و عشرت کوئی ایسی چیزیں نہیں جنہیں ہم سعادت سے تعبیر کر سکتے ہوں۔ سعادت تو درکنار مال و متاعِ دنیا کی فراوانی حضرتِ انسان کے لیے اُلٹا وبال اور مصیبت بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں نفاق گزیدہ زرداروں کے بارے میں فرماتے ہیں :

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا - (۹:۵۵)

اُن کے مال و دولت اور ان کی کثرتِ اولاد کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے اُن کو دنیا کی زندگی میں مبتلائے عذاب کر دے۔

اور یہ عذاب کیا ہے۔ مشقت، تھکاوٹ، غم والم اور بیماری۔ اسی مضمون کی یوں تو متعدد احادیث ہیں مگر یہاں ایک نقل کی جاتی ہے۔ حضرت انسؓ رسولِ پاک سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا "جس شخص کو آخرت کی فکر دامنگیر رہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اُس کی پراگندگی دُور کر دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے قدموں پہ آرہتی ہے۔ اور جسے ہر وقت دنیا ہی کی فکر لاحق رہے اُسے غربت ستاتی رہتی ہے۔ اُس کے معاملات پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اور دنیا کی دولت اُسے اُتنی ہی ملتی ہے جتنی اُس کے لیے مقدر ہو" (ترمذی)

کیا سعادت کا راز اولاد میں مضمر ہے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ اولاد دنیا کی زینت، ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اولاد والدین کے دکھ درد میں شریک اور اُن کے عروج و اقبال اور نیک نامی کا ذریعہ ہے لیکن یہ اس تصویر کا ایک پہلو ہے۔ اگر اس کے سارے ہی پہلو روشن ہوتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ اولاد عین سعادت ہے۔ اس کے برعکس انسانی زندگی کے تجربات بتاتے ہیں کہ اولاد ایک قابلِ قدر نعمت ہونے کے ساتھ ساتھ بسا اوقات ایک ناقابلِ برداشت عذاب بھی ثابت ہوتی ہے۔ کتنے ہی والدین ہیں جو اولاد کے ہاتھوں ستائے جاتے ہیں، جن کی شقاوت و بدبختی کا سبب اولاد بنتی ہے۔ بڑی محبت سے جس اولاد کی پرورش کرتے ہیں وہی اُن کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اولاد کی نافرمانیوں کے عبرتناک واقعات سے، ان کی آوارگی و خودسری کی تکلیف دہ داستانوں سے اور اُن کی مجرمانہ زندگی کے المناک نتائج سے جس طرح والدین کے سینے چھلنی ہوتے ہیں کیا اُس کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ والدین کی سعادت کا راز اولاد میں مضمر ہے۔ شیکسپیئر نے کہا تھا کہ "ناگ کے زہریلے ڈنک سے بھی زیادہ المناک چیز اگر کوئی ہے تو وہ نافرمان بیٹا ہے"۔ اور ایک مشرقی شاعر اولاد کے ہاتھوں نازل ہونے والے مصائب گنانے کے بعد کہتا ہے۔

؎ لَقَدْ سَعِدَ الَّذِىْ اَمْسىٰ عَقِيْمًا ۔ سعادت مند تو وہ ہے جو بے اولاد ہے۔

کیا حقیقتِ سعادت تجرباتی علم ہے؟ علم نے زندگی کے بہت سے نامعلوم گوشے بے نقاب کیے ہیں انسان کو

لاتعداد نعمتوں سے استفادہ کا موقع فراہم کیا ہے۔ اُسی کے لیے مشکل کو آسان اور بعید کو قریب کر دیا ہے۔ تحقیقی تجربات نے اِسے کامیابیوں سے روشناس بھی کیا ہے اور مزید اکتشافات کے لیے اِس کی پیاس کو بڑھا بھی دیا ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ معرفتِ اشیاء حضرتِ انسان کے لیے عینِ سعادت ہے تو ایسا نہیں۔ تجرباتی علم نے انسان کو اضطرابِ دل بخشا ہے۔ اِسے خواہش اور طلب عطا کی ہے اور خواہش اور طلب کو سعادت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ کتنے ہی علماء ہیں جنہوں نے تحقیق و تجربہ میں ساری عمریں کھپا دیں مگر نہ انہیں مقصود ملا نہ گوہرِ سعادت ہی کا کوئی سراغ لگا۔ دمِ آخریں حسرت و افسوس کرتے ہوئے اِس اعتراف پہ مجبور ہو گئے کہ علم نے اُن کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ نٹشے نے یہ کہہ کر اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ "علم پردۂ غیب کو سرکا دیتا ہے لیکن جب ایک پردہ سرکتا ہے تو کئی اور پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے تاآنکہ خود انسان کمزور پڑ جاتا ہے"۔ برطانوی فلسفی برٹرینڈ رسل کہتا ہے "انسان طبیعیات کے میدان میں جب عناصر سے نبرد آزما ہوتا ہے تو علم کے زور پر غالب آجاتا ہے لیکن جب خود اپنی ذات سے کشتی لڑتا ہے تو علم اُس کے کچھ بھی کام نہیں آتا۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ انسانیت کو فلاح و سعادت سے ہمکنار کرنے والی چیز علم نہیں ایمان ہے"۔ ایک مشہور امریکی ماہرِ نفسیات کہتا ہے کہ "تنہا علم قطعاً اِس قابل نہیں کہ انسان کے لیے اسبابِ سعادت کا اِثبات کر سکے"۔ ... "ہم تازہ بتازہ معلومات اور علمی ترقیات سے زندگی کی مشکلات کا شافی حل دریافت نہیں کر سکتے۔ نہ سعادت کے گھاٹ سے سیراب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ علمی ترقی تو اضطراب و تردد کی ترقی سے عبارت ہے۔

<u>سعادت عینِ ایمان ہے</u>: سعادت ایک روحانی شے ہے جسے آنکھ سے دیکھا نہیں جا سکتا ہے نہ کسی پیمانے سے ناپا جا سکتا ہے۔ نہ اُسے دینار، روبل، ڈالر یا پونڈ سے خریدنا ہی ممکن ہے۔ اُس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے اور پاکیزگیٔ نفس، اطمینانِ قلب، انشراحِ صدر اور راحتِ ضمیر اس کی علامات ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ناراض ہو گیا اور اُسے دھمکانے لگا کہ میں تجھے شقاوت اور بدبختی سے دوچار کر دوں گا۔ بیوی نے پُرسکون لہجہ میں جواب دیا: "آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ نہ مجھے شقی بنانے کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ میری سعادت و خوش بختی پہ قادر ہیں"۔ خاوند غیظ و غضب کے عالم میں بولا: "کیسے؟" بیوی نے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہا "اگر سعادت روپے پیسے میں ہوتی تو وہ آپ روک سکتے تھے۔ زیورات اور ملبوسات میں ہوتی تو آپ ان سے مجھے محروم کر سکتے تھے۔ لیکن وہ تو ایسی چیز میں پنہاں ہے جو

آپ کے بس میں نہیں۔ اور ایک آپ ہی کیا تمام دنیا کے انسان مل کر بھی اُس پر قادر نہیں ہو سکتے۔" خاوند نے حیرت و استعجاب کے ساتھ پوچھا "وہ ہے کیا چیز؟" بیوی نے کہا "میری سعادت میرے ایمان میں مضمر ہے۔ اور میرا ایمان میرے دل میں ہے۔ اور میرے دل پہ میرے رب کے سوا کسی کا قبضہ نہیں۔" یہ ہے ایمان اور سعادت کا باہمی تعلق۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام میں مادّی سر و سامان کو بالکل نظر انداز نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابن آدم کی سعادت کے لیے صالح بیوی، اچھا گھر اور عمدہ سواری کافی ہے۔ ایک دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا "جو شخص اپنے گھر میں امن سے رہتا ہے صحت و عافیت سے بہرہ ور ہے اور اُس کے پاس ایک دن کا سامانِ خوراک موجود ہے گویا اُس کے لیے پوری دنیا سمیٹ دی گئی ہے۔"

مندرجۂ بالا تصریحات اور حضورِ پاک کے ارشادات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ گوہرِ سعادت انسان کو ایمان کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔ ایمان کا ماحول ہی وہ سازگار ماحول ہے جس میں شجرِ سعادت نشو و نما پاتا ہے اور امن و سکینت، محبت، رضا اور امید کے برگ و بار لاتا ہے۔ رہا مادّی سر و سامان تو اُس کی نہایت قلیل مقدار بھی کافی ہے۔ یہ قلیل مقدار انسان کی سعادت میں نہ کمی کرتی ہے نہ رکاوٹ ڈالتی ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

سعادت مند انسان جن نعمتوں سے نوازا جاتا ہے اُن میں سے ایک بڑی نعمت اطمینانِ قلب ہے۔ اب ہم اِس بات کا جائزہ لیں گے کہ آیا سکینتِ نفس اور طمانیتِ قلب کسی اور چیز سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یا صرف دامنِ ایمان ہی ایک ایسا دامن ہے جس میں یہ متاعِ بے بہا پائی جاتی ہے۔

اطمینانِ قلب ایمان کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتا دنیا میں اصحابِ علم اور اربابِ فن موجود ہیں۔ قوت و طاقت رکھنے والوں کی کمی نہیں۔ حسن و جمال کے پیکر بھی پائے جاتے ہیں۔ بے حساب خزانوں کے مالک قارون بھی ہیں اور با جبروت شہنشاہوں کے اقتدار کا ڈنکا بج رہا ہے۔ ان سے پوچھیے کیا وہ اطمینانِ قلب کی دولت سے مالامال ہیں؟ جواب یقیناً نفی میں ملے گا۔ اور یہ منفی جواب حقیقت کے اثبات کے لیے کافی ہے کہ مذکورہ صفات اور انعامات بجائے خود کتنے ہی قابلِ قدر ہوں، اطمینانِ قلب کا بدل ہرگز نہیں بن سکتے۔

سکونِ قلب کی جنسِ نایاب کا مصدر و منبع صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے ایمان باللہ۔ ایسا ایمان جو صادق اور عمیق ہو، جسے شک نے مکدّر نہ کر دیا ہو اور نفاق جس میں فساد نہ پیدا کر چکا ہو۔ سکینت ایک

عطیۂ ربانی ہے جو اہلِ زمین میں سے صرف مومنین کے دلوں پر نازل ہوتا ہے تاکہ جب لوگ مضطرب ہوں تو وہ خاطر جمع رکھیں۔ جب لوگ غضبناک ہوں تو وہ صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور جب لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں تو وہ یقین کی دولت سے سرشار رہیں۔ یہی سکینت تھی جس سے ہجرت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک معمور تھا جب آپؐ نے اپنے ساتھی کی پریشانی اور گھبراہٹ پہ فرمایا "اے ابوبکرؓ تمہارا اُن دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا خود اللہ ہے" نیز یہ کہ "گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"۔

اسبابِ سکینت (۱) مومن فطرت کی آواز پہ لبیک کہتا ہے۔ وہ ہمیشہ فطرت سے ہم آہنگ رہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسانی فطرت دو چیزوں سے عبارت ہے مشتِ خاک اور روحِ پاک۔ وہ ہر معاملہ میں جانبِ خاک ہی نہیں جھکا رہتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اندھے بہرے مادے کے پاس آلامِ حیات کا کوئی علاج نہیں۔ وہ مادی احتیاجات کی تسکین کے ساتھ روح کے تقاضوں کو بھی بطریقِ احسن پورا کرتا ہے کیونکہ سکون کی دولت تو اسے رُوح کے تقاضوں کو پورے کرنے ہی سے مل سکتی ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "دل میں پراگندگی پیدا ہوتی ہے جسے رجوع الی اللہ سے ہی دُور کیا جا سکتا ہے۔ اِسے وحشت لاحق ہو جاتی ہے جسے ذاتِ حق سے اُنس ہی زائل کر سکتا ہے۔ قلب میں حزن و ملال گھر کر لیتا ہے جس سے معرفتِ ربانی کا سرور ہی نجات دلا سکتا ہے۔ دل قلق اور اضطراب کا شکار ہو تو اُسے ذکرِ الٰہی سے سکون اور قرار نصیب ہوتا ہے۔ اُس میں حسرت کی آگ بھڑک اٹھے تو قضائے الٰہی کا تصور اُسے بجھا دیتا ہے"۔ غرض دل کے یہ تمام روگ اُسی وقت دُور ہوتے ہیں جب انسان اپنی فطرت کے مادی پہلو کی طرف نہیں بلکہ روحانی پہلو کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس مومن ہر وقت اس لیے پُرسکون رہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت سے انحراف نہیں کرتا۔

مومن اپنی حقیقت سے واقف ہوتا ہے رُوح کی گہرائیوں میں کچھ سوال اُبھرتے ہیں جن کا صحیح جواب ہر شخص سے اُس کی فطرت مانگتی ہے۔ اور وہ سوالات یہ ہیں۔ انسان کیا ہے؟ یہ جہان کیا ہے؟ انہیں کس نے بنایا ہے؟ کیوں بنایا ہے؟ اِس وسیع و عریض کائنات کے ساتھ انسان کا کیا تعلق ہے؟ اِس کی تدبیر و انتظام کس کے سپرد ہے؟ زندگی اور موت کی حقیقت کیا ہے؟ اِس زندگی کے بعد ہمارا کیا حشر ہونے والا ہے؟ یہ اور اسی قسم کے کئی اور سوالات ہیں جن کا شافی جواب اگر مل جائے تو کوئی چیز انسان کے لیے

وجہ پریشانی نہیں بن سکتی۔لیکن اگر ان امور کے بارے میں دل و دماغ تذبذب کا شکار ہوں تو ہر کوئی بڑے سے بڑا سہارا بھی سکون و قرار کا موجب نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک ایک مومنِ قانت کا تعلق ہے وہ اِس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور زمین پر اُس کا نائب ہے۔اللہ نے ہی پوری کائنات کو پیدا فرمایا ہے اور وہی اس کی تدبیرِ امر فرماتا ہے۔ایک وقتِ معین تک اس نے جملہ موجودات کو انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر اِس کی آزمائش کی جا سکے۔اُس نے انسان کے لیے دنیا کو دارالعمل بنایا ہے اور موت کے بعد کا عالم دارالجزاء۔آخرت میں اسے اپنے ایک ایک عمل کی خدا کے سامنے جواب دہی کرنی ہے۔یہاں جو کچھ وہ بوئے گا وہی آگے چل کر کاٹے گا۔نیز یہ کہ اِس جہان کی ناپائدار زندگی حقیقی زندگی نہیں اس لیے یہ جس حال میں بھی گزرے صبر و شکر اور اطاعت و استقامت کے جذبے سے گزار دینی چاہیے۔اصل زندگی آخرت کی لافانی زندگی ہے جس کے بناؤ اور سنوار پر ہر وقت انسان کی نظریں مرکوز رہنی چاہئیں اور آخرت اُسی کی سدھرے گی جو دُنیا میں خدا کا بندہ بن کر رہے گا۔حیاتِ دنیا کی فلاح و کامرانی کا راز بھی بندگی حق میں ہی مضمر ہے۔غرض دارین کی سعادت اُس شخص کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرے اور دونوں جہانوں کی بدبختی اُس کا مقدر ہے جو احکامِ الٰہی سے انحراف کرے۔

اسلام کی یہی وہ تعلیمات ہیں جن میں مذکورہ بالا تمام سوالات کا جواب موجود ہے۔اور وحی الٰہی کے فراہم کردہ اِس علمِ حقیقت نے مومن کو ہر قسم کی کد و کاوش سے نجات دلا دی ہے۔حقیقتِ ہستی کے اِس شعور کے بعد بندۂ مومن کو کوئی دکھ، تکلیف، کوئی غم و فکر اور کوئی مایوسی و محرومی بے تاب اور بیقرار نہیں کرتی۔

مومن کی راہ اور منزل واضح ہوتی ہے

ایمان سے محروم لوگ اس لیے بھی غیر مطمئن زندگی بسر کرتے ہیں کہ ان کی منزل متعین نہیں ہوتی اور راہ بھی غیر واضح ہوتی ہے۔کبھی وہ ایک سمت میں چلنے لگتے ہیں اور کبھی بالکل دوسری سمت میں۔کبھی انہیں کسی کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے اور کبھی کسی کی۔اسی کشمکش میں ان کی عمر گزر جاتی ہے۔اور تردّد اور تامل کی کیفیت لمحہ بھر کے لیے بھی انہیں سکھ کا سانس نہیں لینے دیتی۔ان کی مثال اُس روایتی بوڑھے اور اُس کے بیٹے کی سی ہے جن کے پاس ایک ہی گدھا تھا۔پہلے بوڑھا سوار ہو گیا اور بیٹا پیدل چلنے لگا، تو قریب سے گزرنے والی چند عورتوں نے باپ کو ملامت کرنا شروع کر دی کہ

زندگی کی اتنی بہاریں دیکھنے کے بعد دنیا سے اس کا جی نہیں بھرا اور نو عمر بیٹے کو پیدل چلنے پر مجبور کر رہا ہے اِن باتوں کا اثر یہ ہُوا کہ باپ نیچے اُتر آیا اور بیٹا گدھے پر سوار ہو گیا۔ ابھی چند قدم ہی آگے گئے تھے کہ کچھ اور آدمی بیٹے کو کوستے ہوئے کہنے لگے "دیکھو اِس جوان کو شرم نہیں آتی، خود سوار ہے اور ضعیف باپ پیدل چل رہا ہے۔" آخر باپ بیٹا دونوں سوار ہو گئے تو گدھے کی مظلومیت کا رونا رونے والے آگئے اور جانور کے حق میں رحم کی اپیل کرنے لگے۔ نتیجۃً دونوں گدھے سے اُتر آئے اور پیدل چلنے لگے۔ ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے ہُوا تھا کہ بعض دانشور قسم کے رہگیر جانور رکھنے کے باوجود سواری نہ کرنے پر انہیں بے وقوفی کا طعنہ دینے لگے۔ تنگ آکر بیٹے نے فیصلہ کیا کہ ابا جان گدھے کی ٹانگیں باندھ کر اِسے سروں پر اٹھالیں، شاید لوگ راضی ہو جائیں۔ مگر بوڑھے باپ نے جواب دیا بیٹا ایسی صورت میں ایک تو ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے، دوسرے لوگوں کی زبانیں پھر بھی بند نہیں ہونگی۔ جوان آخر جوان تھا، اُس نے اصرار جاری رکھا اور باپ کو اس کام پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ گدھے کے یہ خیر خواہ لوگوں کو راضی کرنے کی دھن میں اسے اٹھائے ہوئے ایک ندی کا پُل عبور کر رہے تھے کہ معلوم گدھے کے جی میں کیا آئی کہ اُس نے پانی میں چھلانگ لگادی اور باپ بیٹا دونوں کو لے ڈوبا۔

ٹھیک یہی حالت جادۂ حیات میں صفتِ ایمان سے بے بہرہ لوگوں کی ہوتی ہے۔ وہ ہر ایک کو راضی کرنا چاہتے ہیں مگر کسی کو بھی راضی نہیں کر پاتے۔ انہیں اپنا مفاد اور اپنا عیش و آرام عزیز ہوتا ہے مگر ان چیزوں کو خاطر خواہ نہ پاکر ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہتے ہیں۔ لیکن مومن کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ خدا کے بتائے ہوئے طریقِ زندگی پر گامزن رہتا ہے۔ اسے اِس بات کی بالکل پروا نہیں ہوتی کہ کوئی اُس کی روش سے ناراض ہوتا ہے یا ناخوش۔ راستے کے نشیب و فراز سے گزرتے وقت وہ نہ تو چمکتے ہوئے سکوں کے ڈھیروں کی طرف دیکھتا ہے نہ حسی خواہشات اس کے راستے میں حائل ہوتی ہیں۔ اور نہ شدائد و مصائب اور قتل و استہلاک کے دلدوز مناظر اُسے پریشان کرتے ہیں اور نہ کوئی بڑے سے بڑا لالچ، خوف یا دباؤ اسے جادۂ مستقیم سے ہٹاتا ہے۔ اِس دوران میں اُس کی توجہ صرف صحتِ سمت اور منزلِ مقصود پر مرکوز رہتی ہے۔ وہ راہِ راست سے ذرہ برابر ہٹنا نہیں چاہتا۔ اور رب العٰلمین کی رضا کو ہر شے پر مقدم رکھتا ہے کہ یہی اس کی آخری منزل ہے۔ اِس منزل کو پالینے کا یقین اُسے ہر مرحلہ میں سکینت و طمانیت سے سرشار رکھتا ہے۔ چاہے وہ مرحلہ تختۂ دار کو چومنے کا

مرحلہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے ہی ایک مرحلہ پر حضرت خبیبؓ بن عدی نے فرمایا تھا:

ولستُ ابالی حین اُقتل مسلمًا — علیٰ ایّ جنبٍ کان فی اللّٰہ مصرعی

وذالک فی ذات الالٰہ وان یشأ — یبارک علیٰ اوصال شلوٍ ممزّعٍ

"مجھے کچھ پروا نہیں اگر میں بحیثیت ایک مسلم کے قتل کیا جاؤں۔ کوئی پروا نہیں کہ اللہ کے معاملے میں مجھے کس پہلو مار گرایا جاتا ہے۔ مجھے معبودِ برحق (پہ ایمان لانے) کی وجہ سے قتل کیا جارہا ہے۔ وہ ذات اگر چاہے تو بریدہ اعضاء کو بھی بابرکت بنا سکتی ہے۔"

مومن موجودات سے مانوس ہوتا ہے جملہ موجودات کے بارے میں ایک صاحبِ ایمان یہ سمجھتا ہے کہ یہ بھی اُس کی طرح اللہ کی مخلوقات ہیں۔ اور اللہ کے احکام کی پابند۔ اِن میں سے کوئی چیز بھی بذاتِ خود اُسے نہ نقصان پہنچا سکتی ہے نہ نفع۔ بلکہ نفع اور نقصان کے تمام اختیارات اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں۔ اِن حقائق کے ادراک کے بعد مومن کسی چیز سے متوحش نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ مخلوقات کی وسیع برادری میں اپنے آپ کو ایک معزز اور محترم رکن سمجھتا ہے۔ ایسا رکن کہ جس کو دوسری اشیاء پر ایک حد تک تصرف کے اختیارات حاصل ہیں۔ اسی بناء پر زمین، سورج، چاند، سمندر، بیابان، ندی، نالے، ہوائیں، بادل، درخت، پودے، جمادات، اور حیوانات غرض کسی چیز کی طرف سے کوئی خوف یا ادنیٰ سی بے اطمینانی بھی اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتی۔

موجودات کے وسیع وعریض کارخانے کو دیکھ کر مومن ایک نہایت خوشگوار اثر یہ قبول کرتا ہے کہ تنگی اور گھٹن سے اُسے نجات مل جاتی ہے۔ کائنات کی وسعتیں اُس کے سینے کو بھی فراخ کر دیتی ہیں۔ وہ زمین و سما کی پہنائیوں اور بے کرانیوں کو دیکھ کر اپنی بے بسی اور لاچارگی کا خول توڑ پھینکتا ہے۔ اور بلند حوصلہ اور عالی ظرف انسان کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اور کبھی کسی معاملہ میں بھی تھڑدلی کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ دل کی یہ کشادگی جب ایک مومن میں پیدا ہو جاتی ہے تو اُس کے بہت سے مسائل اور لاتعداد پریشانیوں کا خاتمہ خود بخود ہو جاتا ہے۔

مومن کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے انسان کی بہت سی مصیبتوں اور پریشانیوں کا علاج اُس کے عزیز و اقارب اور دوست احباب کر دیتے ہیں لیکن بعض پریشانیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں کوئی بھی اُس کے کام نہیں آسکتا۔ ایسے عالم میں تنہائی کا جو احساس اُسے ہوتا ہے ایک مغربی دانشور کے قول کے مطابق

وہ ایسا مرض ہے جو عقلی اضطرابات کے بنیادی عوامل میں سے سب سے اہم ہے۔ اِس مرض کا مداوا ڈھونڈنے کی علمائے نفسیات نے بہت کوشش کی ہے لیکن بے شمار تجربات کے بعد انصاف پسند اطبّا اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اِس کا بہترین علاج صرف اور ایمان کے پاس ہے۔ ایمان کی آغوش میں پناہ لے کر ہی انسان کو اللہ کی معیت کا احساس ہوتا ہے۔ اور وہ نہایت مشکل اور کٹھن حالات میں بھی اپنے آپ کو تنہا نہیں پاتا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (البقرہ: ۱۱۵)

اور مشرق ہو یا مغرب دونوں اللہ ہی کے ہیں۔ تو جدھر بھی تم رُخ کرو اُسی طرف اللہ ہے۔ اللہ بڑی گنجائش رکھنے والا اور علم والا ہے۔

وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ، وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ (الحدید-۴)

وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو، جو کام بھی تم کرتے ہو اُسے وہ دیکھ رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے تعاقب سے بنی اسرائیل کو اطمینان دلاتے ہوئے جو حرفِ تسلی ادا فرمایا تھا وہ یہی تھا کہ:

قَالَ کَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ۔ (الشعراء-۶۲)

میرے ساتھ میرا رب ہے۔ وہ یقیناً میری رہنمائی فرمائے گا۔

اور جب دامنِ کوہ پہ کھڑے دشمنانِ اسلام کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ گھبرائے تو آپؐ نے فرمایا "لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا"۔ یہ معیتِ الٰہی کا یقین ہی تو تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے قالب میں ڈھل گیا تھا۔ پس ثابت ہُوا کہ مومن کہیں بھی ہو اور کیسے ہی حالات میں گھرا ہُوا ہو وہ ہر وقت اِس یقین و ایمان سے سرشار رہتا ہے کہ اُس کا خدا اُس کے ساتھ ہے جو اُس کی مدد پر قادر ہے۔ اور اُسے ہر مشکل اور مصیبت سے بچانے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں معیتِ الٰہی کا یہ تصوّر جو ہر مومن کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے اس کے سکون و اطمینان کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

نماز اور دعا بھی اسبابِ سکینت میں سے ہیں۔ سکینت کے جن اسباب و ذرائع تک مادہ پرستوں کی رسائی نہیں اُن میں سے ایک نماز اور دعا ہے۔ نماز مومن کا وہ کارگر ہتھیار ہے جس سے آلام و حوادث میں مدد حاصل کرنے کی تلقین خود خدا نے کی ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ

اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ (البقرہ: ۱۵۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشان کن مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ نماز کا اہتمام فرماتے اور اپنے آقائے حقیقی کی جناب میں حلِ مشکل کے لیے عرضِ مدعا کرتے۔ نماز کا یہی وہ سکون بخش پہلو ہے جس کی طرف آپ نے اِس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔ جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ "میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان نماز میں رکھ دیا گیا ہے۔ دُعا یا صلوٰۃ کمزور ناتواں انسان کا تعلق اُس ذات سے جوڑتی ہے جو علیم و خبیر اور علیٰ کلِ شیءٍ قدیر ہے جس کا دروازہ ہر وقت کھٹکھٹایا جا سکتا ہے اور جس کے درِ رحمت سے محروم لوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف کے اوباشوں کے ہاتھوں انتہائی ناروا سلوک برداشت کر کے بہت مجروح اور لاچار ہو گئے تو آپ نے بارگاہِ ربُّ العزت میں دستِ دُعا اٹھائے۔ اُس وقت آپ کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے کلمات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے نزدیک دُعا کا مقام کیا ہے اور وہ اپنے اندر کتنا وافر سامانِ سکینت رکھتی ہے۔ اللھم اشکو الیک ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی...

"اے اللہ میں اپنی قوت اور اپنے وسائل کی کمی اور لوگوں کے مقابلے میں اپنی کمزوری اور بے بسی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو ناتوانوں اور بے کسوں کا پروردگار ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، آخر تو مجھے کس کے حوالے کرنے والا ہے؟ کیا اُس حریفِ بیگانہ کے جو مجھ سے ترش روئی روا رکھتا ہے یا ایسے دشمن کے جو میرے معاملے پر قابو رکھتا ہے لیکن اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو پھر مجھے کچھ پروا نہیں۔ پس تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسعت رکھتی ہے۔ میں اِس بات کے مقابلے میں کہ تیرا غضب مجھ پر پڑے یا تیرا عذاب مجھ پر نازل ہو تیرے ہی نور و جمال کی پناہ طلب کرتا ہوں جس سے ساری تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جس کے ذریعے دین و دنیا کے جملہ معاملات سنور جاتے ہیں۔ مجھے تو تیری رضامندی اور خوشنودی کی طلب ہے۔ بجز تیرے کہیں سے کوئی قوت و طاقت نہیں مل سکتی۔

مومن کی زندگی حسرتناک نہیں ہوتی | اضطراب اور بے چینی کی ایک وجہ ماضی کے واقعات کا غم، حال کی خاک میں ملتی امنگیں اور مستقبل کے خطرات کا احساس ہے۔ بعض لوگ ماضی کے حادثات پر سالوں کفِ افسوس ملتے ہیں۔ آہیں بھرتے اور نالہ و فریاد کرتے ہیں۔ نتیجۃً یادِ ماضی کا عذاب اُن کے حال پر بھی اثرانداز ہوتا ہے اور اُن کی ہر لحظہ گزرنے والی زندگی کو تلخ بنا دیتا ہے پھر بالکل فطری طور پر ان حسرتوں اور

تلخیوں کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے ڈانڈے مستقبل سے جا ملتے ہیں۔ اِس طرح اُن کی پُوری بساطِ حیات پہ مایوسیوں کے گہرے اور تاریک سائے پڑنے لگتے ہیں اور ایک دائمی حسرت و افسوس اُن پر مُسلط ہو جاتا ہے۔

زندگی کی تباہی کا یہ عمل اُس وقت شروع ہوتا ہے جب انسان کی سوچ کا انداز یہ ہو کہ اگر میں یُوں کرتا تو ایسا نہ ہوتا۔ اگر میں تندرست ہوتا تو آج اِس انجام سے بچ جاتا۔ ہائے میرا فلاں عزیز نہ مرتا۔ کاش اس وقت مجھے یہ بات سُوجھ جاتی، وغیرہ۔ یہ کاش اور اگر اور ہائے دنیا ئے حسرت کی وہ پرچھائیں ہیں جو ہر مادہ پرست پر ہر وقت پڑتی رہتی ہیں اور اسے ایک اضطرابِ مسلسل سے دوچار رکھتی ہیں۔

اس کے برعکس مومن اپنی کتابِ ماضی کی ورق گردانی اس طرح کبھی نہیں کرتا کہ اُسے پچھتاوا لگ جائے نہ مستقبل کے موہوم وساوس وخدشات کو اُس کی حوصلہ شکنی کی جراُت ہوتی ہے۔ وہ حال کی رنگینیوں اور سنگینیوں میں سے گزرتے ہوئے اپنی نظر سے اِس حقیقت کو کبھی اوجھل نہیں ہونے دیتا کہ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ط اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ o لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ o

(الحدید: ۲۲-۲۳)

کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں نہ لکھ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔ (یہ سب کچھ اس لیے ہے) تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اُس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اُس پر پھول نہ جاؤ۔ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں۔

اِس تعلیم کے مطابق بندۂ مومن جس شعار کو اپناتا ہے وہ ہے الحمد للہ علیٰ کلّ حال۔ اور درد کی چوٹ پہ جس کلمہ کا سہارا لیتا ہے وہ انّا للہ وانّا الیہ راجعون ہے۔ اور آنے والے خطرات کی عمارت مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کی ضربِ محکم سے پیوندِ خاک کر دیتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ نعمتِ ایمان سے بہرہ ور انسان حسرت و افسوس کا کبھی شکار نہیں ہوتا۔